بین الاقوامی قانون میں اسلامی۔انسانی حقوق کی معیاری قبولیت

گروہ مؤلفین: سیامک کرم زادہ[۱]

مسعود علیزادہ[۲]

مترجم: مولانا نثار احمد زین پوری

خلاصہ

انسانی حقوق کے قواعد اور اسلامی فقہ کا ارتباط ہمیشہ بین الاقوامی سطح پر موضوع بحث رہا ہے۔ یہ بحث دو اعتبار سے حقوق دانوں کی توجہ کا مرکز قرار پا سکتی ہے۔ ایک داخلی اعتبار سے خصوصاً ان ممالک میں کہ جن کے داخلی حقوق کسی نہ کسی اعتبار سے اسلامی دستورات و قواعد کے تحت تاثیر ہیں۔ دوسرے بین الاقوامی حقوق کے اعتبار سے اور وہ اس طرح کہ حقوق بشر اور اسلامی فقہ میں کہاں اور کس حد تک توافق و ہم آہنگی ہے یا کہیں کس قدر تضاد و تناقض ہے۔ زیر نظر مقالہ اس موضوع پر ایک تاریخی نگاہ کے ساتھ اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بین الاقوامی حقوق اگرچہ شروع میں دین وسیاست میں تفکیک و تفریق کی ایک کوشش کے طور پر پیش کئے گئے تھے۔ لیکن یہ تاریخی حقیقت، دینی دستورات اور حقوق انسانی کے درمیان ایک توافقی نظریہ قائم کرنے میں مانع نہیں ہو سکتی۔ بین الاقوامی حقوق میں انسان کے حقوق کے جو خاص قواعد ہیں ان کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قواعد میں نوے فیصد سے زیادہ توافق ویکسانیت ہے۔ اور چند جگہوں پر ان دونوں دستوروں میں ایک قسم کا اختلاف ہے۔ اسلام اور معاشرہ میں رائج بین الاقوامی نظم ونسق میں مختلف اصولوں کے وجود نے اس اختلاف کو کافی حد تک کم کر دیا ہے۔ اور آئندہ اس اختلاف کی شرح کو جو چیز اور کم کرے گی یا اس دورخی کو گھٹائے گی، وہ فقہ اسلام کے علماء اور بین الاقوامی حقوق کے دانشوروں اور حقوق دانوں کے درمیان ایک پائیدار وشائستہ گفتگو ہے۔

۱۔اسسٹنٹ پروفیسر انٹرنیشنل لاء شاہد یونیورسٹی۔ایمیل: skkaramzadeh@gmail.com

۲۔اسسٹنٹ پروفیسر انٹرنیشنل لاء پیام نور یونیورسٹی۔ایمیل: massoud.alizadeh1@gmail.com

مقدمہ

انسانی حقوق کا مسئلہ آج ایک سنجیدہ سیاسی روابط کے بین الاقوامی موضوع کو کچھ اس طرح تشکیل دیتا ہے کہ تمام ممالک خصوصاً اسلامی ممالک ایک طرح سے اس میں الجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بین الاقوامی حقوق کی مشکل یا اسلامی حقوق کا شائستہ ہونا سیاسی و علمی حلقوں میں گرما گرم بحث کا موضوع رہا ہے۔ یہ جنگ اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ مغرب میں حقوق انسانی کے بعض تخصصی و خصوصی محکموں نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی احکام اور مغرب کے حقوق انسانی میں کوئی توافق و ہم آہنگی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر یورپ کی عدالت نے "حزب رفاہ" کے معاملہ میں اپنے مشہور فیصلہ میں عملی طور پر اسلام اور اسلامی شریعت اور یورپ کے انسانی حقوق میں کسی بھی توافق کا انکار کیا ہے۔[1]

فلسفی نگاہ سے آج مغرب میں اسلام اور انسانی حقوق کے درمیان تصور کائنات کا جو فرق محسوس کیا جاتا ہے اور جسے تسلیم بھی کیا جاتا ہے، اس کی ایک فلسفی و تاریخی بنیاد ہے۔ یہ تعارض و ٹکراؤ کبھی اس حد تک بھی پہنچا ہے کہ بعض لوگوں نے انسانی حقوق کے عالمی مفہوم کو فقط ایک مفہوم ہی تصور کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ "غرب پرستی" مغرب کی تہذیب کی دین ہے اور دنیا کی تہذیبوں کے اختلاف سے ایک قسم کی بے خبری کی دلیل ہے۔ یہی نظریہ متعدد مواقع پر اس بات کا سبب بنا کہ اسلامی ممالک بین الاقوامی حقوق و قوانین کے قواعد کو شک کی نگاہ سے دیکھیں اور جب بین الاقوامی اداروں میں انسانی حقوق کی شقیں منظور ہوتی ہیں اس وقت اسلامی ممالک ان قواعد کی بہ نسبت خدشہ واحتیاط کے حق سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کبھی چیلنج کی حالت میں اپنا مخصوص آرٹیکل اسلامی حقوق بشر کے عنوان سے فراہم کرتے ہیں۔[2]

۱۔ CEDH, Affaire Refah partisi et autres c, Turquie, 31/07/2001, available in: https://hudoc.cchr.coc,int/eng#{"dmdocnumber": ["702044"], "itemid":["001-64174"]}

۲۔ ان اسناد کے بارے میں نمونہ کے طور پر درج ذیل کتابوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

طرح اعلامیہ حقوق بشر و تعہدات بنیادین انسان در اسلام، تہیہ شدہ از سوی اتحادیہ جہان اسلام در سال ۱۹۷۹۔

اعلامیہ جہانی اسلام، تہیہ شدہ از سوی شورای اسلامی لندن مورخ ۱۲ آپریل ۱۹۸۰۔ بقیہ اگلے صفحہ پر

یہ حالات اس بنیادی ضرورت کو پیش کر سکتے ہیں کہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے قواعد کو قبول کرنے کی کیفیت کا اسلامی نقطۂ نظر سے کیسے مطالعہ و تجزیہ کیا جائے۔ اس مطلب کو پیش کرنے سے قبل اس حقیقت کی طرف توجہ ضروری ہے کہ بہت سے اسلامی دانشور انسانی حقوق کے مفہوم و نظریہ کے تجزیہ میں جو چیز اصول و مبانی میں انسانی حقوق کے عنوان سے معروف ہے اسے مغربی تمدن کی فکر کا امتداد و تسلسل قرار دیتے ہیں[1]۔ ان مفکرین کے نقطۂ نظر سے اسلامی حقوق بشر کا فلسفہ کلی طور پر مغرب کے اصول سے جدا ہے اور اسی چیز نے حقوق بشر کے بارے میں اسلامی و مغربی دو نظریوں کے درمیان کم و کیف کے اختلاف کو وجود دیا ہے۔ یہ نقطۂ نگاہ پہلی نظر میں ایسا لگتا ہے کہ غلط نہیں ہے۔ اس نظریہ میں یہ بات یاد دلادیں کہ اول تو اسلامی حقوق بشر میں دیگر تمام حقوق کی مانند حقوق الٰہی کا پہلو ہے اور آسمانی مقنن (خدا) نے انہیں وجود دیا ہے۔ دوسرے ان حقوق کے اصولوں کو انسان کو دی جانے والی تکالیف کے ساتھ بیان کیا جانا چاہئے۔ اور ان کا تجزیہ کیا جانا چاہئے۔ اسی زاویہ میں اسی نکتہ کی طرف بھی توجہ دینا ضروری ہے کہ جن پانچ مصالح کی حمایت کے لیے ہر قسم کی قانون سازی و قانون گزاری کی بنیاد رکھی گئی ہے وہی فرد و معاشرہ کی حمایت کی بنیاد کو تشکیل بھی دیتے ہیں اور وہ

اعلامیہ جہانی اسلامی حقوق بشر کہ توسط شورای اسلامی لندن تہیہ گردید و در ۱۹ ستمبر ۱۹۸۱ بہ یونسکو ارایہ گردید۔

پیش نویس سند راجع بہ حقوق بشر در اسلام کہ در جریان اجلاس سران سازمان کنفرانس اسلامی در ۱۹۸۱ در طائی ارائہ گردید۔

پیش نویس سند راجع بہ حقوق بشر کہ در پنجمین نشست حقوق بشر در دسمبر ۱۹۸۹ تہران بہ تصویب رسید۔

پیش نویس اعلامیہ حقوق بشر در اسلام کہ توسط وزرای خارجہ اعضای سازمان کنفرانس اسلامی در اکتوبر ۱۹۹۰ در قاہرہ تہیہ گردید.

پیش نویس منشور عربی حقوق بشر کہ توسط کشورہای عضو اتحادیہ عرب در سال ۱۹۸۲ تہیہ شد.

طرح منشور حقوق بشر و مردم در جہان عرب کہ در دسمبر ۱۹۸۶ بہ تصویب رسید۔

کتاب سبز حقوق بشر در عنہاد جماہیری کہ در ۱۲ جون ۱۹۸۸ توسط لیبی بہ تصویب رسید۔

در مورد بررسی تفصیلی این استاد نگاہ کنید بہ:

-MOTILLA, A (ed.), Islam y Derechos Humanos, Madrid, Trotta, pp. 27-52.

۱۔ محمد عمارہ، معرکہ المصطحات بین الغرب والاسلام، نہضہ مصر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ص ۸۸

نفس، دین، عقل اور آبرو، ومال سے عبارت ہیں۔[۱] حقوق بشر کے تجزیہ میں اسی کلی فرق نے اسلامی اصولوں اور غربی بین الاقوامی حقوق بشر کے نظریہ میں شگاف پیدا کیا۔ یہ اختلاف پہلی نظر میں قابل اعتناء معلوم ہوتا ہے۔ آخری تجزیہ میں موجودہ بین الاقوامی حقوق کے اصولوں سے نسبی واضافی توافق تک رسائی کی جاسکتی ہے۔ (پہلی بات)، اسلام میں حقوق بشر کے اصولوں اور موجودہ بین الاقوامی حقوقی نظام کے اختلاف سے قطع نظر ہماری دونوں باتوں کے مواد و محتویٰ میں کوئی خاص ٹکراؤ اور تعارض نہیں ہے۔ اس راہ میں جو اسناد غیر حکومتی یا بین الاقوامی اداروں میں تنظیم پائی ہیں ان کے مواد و محتویٰ کے منطقی تجزیہ کو اس محتویٰ خوانی کی دلیل سمجھا جاسکتا ہے۔ اسلامی قواعد کی تنظیم اور بین الاقوامی وضع شدہ حقوق کے درمیان جو متن و محتویٰ کے تعارض و ٹکراؤ ہیں ان کے آخری حل کے لیے لمبا راستہ در پیش ہے (دوسری بات)۔

پہلی بات: اسلام میں حقوق بشر اور بین الاقوامی حقوق کی تنظیم: تعارض سے توافق تک

ثابت و تغیر ناپذیر حقوقی اصولوں کا تجزیہ انسان کے سامنے اسلام اور بین الاقوامی حقوق کی تنظیم کے دو مختلف راستے پیش کرتا ہے، بہر حال بین الاقوامی حقوق کی تنظیم وترتیب نے اپنی جدید ویورپین تدوین کی راہ میں ہر چیز سے زیادہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ پہلے سے معین شدہ ماورائے طبیعت کے دستورات سے الگ ہٹ کر ''انسان دوستی'' کی بنیاد پر اپنے قواعد کی تدوین کرے۔ بنیادی طور پر اسلامی فکر ہر قسم کی قانون سازی خدائی اصولوں اور اس کی مشیت کی بنیاد پر کرتی ہے۔ (الف)، ان تمام باتوں کے باوجود یہ تقابل (نظری تعارض) آخری تجزیہ میں ''مقصدی تفاہم'' انسان کی حمایت میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ (ب)

الف: وضع شدہ حقوق بشر کے اصول اور اسلام

جدید بین الاقوامی حقوق کی تاریخ کے سفر کی تحقیق و تجزیہ ہر چیز سے پہلے ایک قسم کی جدائی کو بیان کرتا ہے۔ اور وہ ہے آسمانی قواعد سے حقوق کی جدائی، جس دنیا میں بین الاقوامی حقوق کے بنانے والوں نے تنظیم حقوق کی بنیاد رکھی ہے، شاید مشکل اور اہم ترین کام، پاپ کی طاقت، یعنی اس طرح دنیا پر اس کی مذہبی فرمانروائی و حکمرانی کو

۱۔ ایضاً، ص ۸۹

ختم کرنا تھا چنانچہ ہسپانوی مسیحی حقوق دان (ویٹوریا) پاپ کو فقط ایک ایسا "روحانی" پیشوا تسلیم کرتا ہے، جس کی کوئی زمین نہیں ہے اور اس کی زمینی طاقت کا انکار کیا جانا چاہیئے، اسی نظریہ میں یہ بھی ہے کہ برسوں بعد، دہائیوں کے بعد مستقل حیثیت سے خود مختار ہونے اور بین الاقوامی حقوق بنانے کی تاکید کی گئی۔اس سلسلہ میں جدید بین الاقوامی حقوق کے علماء حقوق کا اتفاق ہے کہ پاپ کی طاقت محدود کرنے اور آسمانی طاقت سے زمینی طاقت کو جدا کرنے کے نظریہ نے مرور زمانہ کے ساتھ لکھنے والوں کے لیے نیا راستہ کھولا ہے تاکہ وہ گزرتے زمانہ کے ساتھ بین اقوامی حقوق کو مذہب سے جدا کر سکیں اور انہیں ایک غیر مذہبی اور مستقل علم کی صورت دے سکیں۔[1]

بین الاقوامی حقوق کی تشکیل کے لیے "ویٹوریا" نے جو راستہ کھولا تھا ایک مدت گزر جانے کے بعد اس پر "ویٹوریا" کے ہم وطن حقوق داں "سوارز" گامزن ہوئے اور "جنٹیلی" کی فکر کے قالب میں مکمل ہوا۔ بین الاقوامی حقوق کی تاریخ کی تدوین میں، آلبریکوس جنٹیلی کے نظریہ کو بین الاقوامی حقوق کی تشکیل کا نقطۂ آخر تصور کیا جاتا ہے۔ وہ خود کو ہر دینی فکر سے آزاد اور خود مختار سمجھتا تھا۔[2] بین الاقوامی حقوق کی کلاسیکی تاریخ کا آج اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ "جنٹیلی" بین الاقوامی حقوق کی تشکیل میں اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس نے مذہب کو بین الاقوامی حقوق سے الگ رکھا ہے۔ "جنٹیلی" کا یہی نظریہ اس قانون کی تنظیم وترتیب کا محرک بنا ہے جسے آج بین الاقوامی حقوق کا نام دیا جاتا ہے:

"silete Theologi in Mune alieno"[3]

۱۔ پرویز ذوالعین، میانی حقوق بین الملل عمومی، دفتر مطالعات سیاسی و بین المللی، تہران ۱۳۸۳، ص ۳۶۴۔

۲۔ اے پادریو! چپ رہو اور اس معاملہ میں دخل اندازی نہ کرو جو تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ جدید بین الاقوامی حقوق کی تشکیل کے بارے میں جنٹیلی کے غیر مذہبی نظریہ کے تجزیہ کے لیے ملاحظہ ہو۔

Giovanni Minnucci, Silete Theologi in munere alieno, Alberto Gentili tra diritto, teologia e religion, Monduzzi. 2016

۳۔ پرویز ذوالعین، پیشین، ص ۳۹۳۔ ۳۹۲۔

گروسیوس کہ جس کو بین الاقوامی حقوق کا باپ کہا جاتا ہے۔ جس نے اپنے اکثر نظریات جنٹیلی سے ہی لیے تھے اس نے بھی حقوق کی دین سے جدائی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بنیادی طور پر حقوق دو ہی ہیں: فطری حقوق اور ارادی حقوق۔

فطری حقوق فطرت ہی سے وجود میں آتے ہیں وہ کسی ارادہ کی پیداوار نہیں ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں خدا کا ارادہ بھی نہیں بدلتا ہے کیونکہ فطرت کا خالق بھی خدا ہی ہے اسی لئے اس کی لامتناہی قدرت اس کے خلاف نہیں جاتی۔ جس طرح ۴ = ۲x۲ ہی ہوگا نہ اس سے کم اور نہ زیادہ، لیکن ارادی حقوق جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ ارادہ سے وجود میں آتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا کے ارادہ سے وجود میں آتے ہیں اور دوسرے وہ جو انسان کے ارادہ سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔ گروسیوس اسی چیز کو خدائی حقوق جانتا ہے جو کتاب مقدس میں بیان ہوئی ہے اور اس کے بالمقابل حقوق انسانی کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے: شہری حقوق، خاندانی حقوق اور بین الاقوامی حقوق۔[1]

اس اعتبار سے بین الاقوامی حقوق خدا کے ارادہ سے علیحدہ ایک چیز ہے اور ایک ایسا نظام ہے جو تمام حکومتوں یا اکثر حکومتوں کے ارادہ سے اپنی طاقت حاصل کرتا ہے۔ ایسی تعریف اس فکر کے بالمقابل ایک نظریہ ہے جو حق کو فقط خدا کے ارادہ کی پیداوار قرار دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تجزیہ میں خدائی دستور کے عنوان سے ایک چیز آتی ہے جو کہ یکتا پرستی پر موقوف ہے اور وہ یہ کہ قانون بنانے کا حق صرف خدا کو ہے۔ اسلامی مذہب میں کہا گیا ہے کہ "کائنات اور انسان کا حاکم مطلق خدا ہے"[2] اور اس عقیدہ کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ "آفرینش کا سارا نظام خدا کی طرف سے ہے اور کائنات کا عظیم کارخانہ خدا نے ہی بنایا ہے۔[3] اس سے بہتر لفظوں میں یہ کہا جائے کہ اسلامی خدائی کارخانہ میں

۱۔ پرویز ذوالعین، پیشین، ص ۳۹۳۔ ۳۹۲۔

۲۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ یوسف، ۴۰)

۳۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا۔ (سورہ نساء، ۱۲۶)

خدا کا حکم چلتا ہے۔ اور وہ حق کے ساتھ حکمرانی کرتا ہے اور وہ بہترین حاکم ہے۔ اس بارے میں قرآن کی صریح آیتوں کا ایک مجموعہ موجود ہے جو دین اسلام کے اس نظریہ کو بیان کرتا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ. (سورہ انعام، ۵۷)

خدا کے حکم کے علاوہ کوئی حکم نہیں ہے وہ حق ہی کہتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا۔ (سورہ کہف، ۲۶)

یہ آیت صریح طور پر کہہ رہی ہے کہ لوگوں کا ولی و سرپرست خدا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو ہرگز شریک نہیں کرتا ہے۔

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ۔ (سورہ مومن، ۱۲)

حکم تو بلند و برتر خدا ہی کا ہے۔

اس سلسلہ میں قدرت معاشرہ کے لیے اس قانون کو بہترین قانون قرار دیتی ہے جو خدا نے بنایا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۔ (سورہ مائدہ، ۵۰)

اور جو قوم اللہ پر ایمان رکھتی ہے اس کے نزدیک قانون بنانے کے لیے اللہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟
زمان و مکان کا طویل فاصلہ، گردش زمانہ اور جگہ کی تبدیلی، اس حکم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی کیونکہ اسلامی عقیدہ کی بناء پر یہ قانون حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ تمام لوگوں کو قیامت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے: " وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ " (سورۂ انعام ۱۹) (یہ قرآن وحی کے ذریعہ میرے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ میں تمھیں اور جس تک یہ پہنچے اسے خدا سے ڈراؤں)۔
البتہ یہ ماننا پڑے گا کہ اسلامی عقیدہ کے مطابق اسلام کے قوانین کو مکمل اعتدال کے ساتھ اس طرح انسانی فطرت و شرست کے مطابق بنایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر جگہ انسان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔
اس ترتیب سے جو چیز پہلی ہی نظر میں ضروری معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی حقوق و قواعد اور بین الاقوامی حقوق سازی کے اصولوں کے درمیان تقابل و تجزیہ کیا جائے، "عظمت انسانی" پر ساری توجہ کے باوجود اور حقوق

وضوابط کے ان دونوں نظاموں میں انسان کا جو بلند مقام ہے وہ اسلام میں حقوق بشر اور بین الاقوامی حقوق کے موضوعات کی ہم آہنگی ونزدیکی کے لیے میدان ہموار کرسکتا ہے۔

ب: تعارض نظری سے مقصدی تفاہم تک

رنسانس کے زمانہ سے یورپ والوں کی دینی افکار سے علیحدہ قانون سازی دو فکری تحریکوں کی روشن خیالی کا سبب ہوئی:

الف) خارجی ومادی مظاہر کی طرف تمایل (ایک قسم کے میٹریلزم کی طرف رجحان) جو مختلف صورتوں میں مغرب کے بعد والے فلاسفہ کے آثار میں نظر آتا ہے۔

ب) انسان کو قانون کے محور پر لانے کے لیے قانون سازی کی کوشش۔

یہ تمایل واضح طور پر "انسانی ہمدردی" یا "انسان دوستی" کی تحریک میں نظر آتا ہے اور اسی چیز نے یورپ کے جدید معاشرہ کی تشکیل میں آج بین الاقوامی حقوق کے محرک کے عنوان سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ انسان دوستی اس نظریہ کے مطابق کہ انسان بہت سی صلاحیتوں کا حامل ہے وہ علم وآگہی اور احساس ذمہ داری کے سبب اپنی ترقی کا میدان خود ہموار کرسکتا ہے وہ انسان دوستی اور قانون سازی پر زور دیتا ہے۔ اسی فکر میں کچھ نظریات ہیں جیسے ارادہ کی آزادی، سادہ لفظوں میں خود مختاری، دوسروں کے افکار و نظریات کا استقبال اور کائنات کو سمجھنے کے لیے اپنے بنیادی ترین اصول بنائے گئے ہیں۔ یہ خود ساختہ اصول واقدار ایک کلیدی نظریہ تھا اور وہ یہ کہ انسان اور اس سے وابستہ تمام اقدار دوسرے تمام اعتبارات وفرضیات پر فوقیت رکھتے ہیں۔[1]

اس تاریخی سیاق میں خلق اور اجتماعی دستورات وقواعد کی تفسیر کے ساتھ ارتباط کے نظریہ سے Humanism یا حقوق انسان دوستی کا نظریہ پیدا ہوتا ہے جس کو قرون وسطیٰ کے حقوق کے مفسرین کے خلاف ایک قسم کا انقلاب

۱۔ یہ ایک اصطلاح ہے جسے پروفیسر میری دلماس سارتی نے مغربی انسان دوستی کے مفہوم کی تعریف میں استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

Mireille Delmas-Marty. L'humanisme juridique entre Mythe et Utopie, available in http//www.tout-monde .com/sites/mireille-delmas-marty---127 humanisme-juridique-entre-mythe-et-utopie.pdf.

تصور کیاجاتا ہے۔ جبکہ قرون وسطیٰ کے حقوق کے مفسرین اور حقوقی حاشیہ نویسوں نے عیسائی خدائی حقوق پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی پوری کوشش نصوص کی شکلی تفسیر کرنے میں صرف کی ہے جس سے ''حقوق انسان دوستی'' کا نظریہ پیدا ہوا ہے تاکہ انسان اور اس کے سیاق زندگی کے حالات کی بازگشت رومی حقوق کی طرف ہو جائے۔ یہ تحریک جو اپنے پیروؤں کے نزدیک بہت مختلف ہے اسے مشکل سے ہمہ گیر تحریک کہا جاسکتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کی بازگشت عقل انسانی کی طرف ہوتی ہے لہٰذا اہمیت کی حامل ہے۔ اس تحریک نے بین الاقوامی حقوق کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

آج اس بات میں شک نہیں ہے کہ گروسیوس اور بین الاقوامی حقوق کے دوسرے ذمہ داران اپنے طریقۂ استدلال میں ''حقوق فطرت انسانی'' سے شدید متاثر تھے اور یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دو خصوصیتیں ''عقل پرستی، اور انسان دوستی'' بین الاقوامی حقوق کی تشکیل میں یادگار رہ گئی ہیں۔ یہ دو خصوصیتیں جو کہ خود ''عظمت انسانی'' پر توجہ سے پیدا ہوئی ہیں، اس بات کا سبب ہوئی ہیں کہ بین الاقوامی حقوق سے گزرنے کے باوجود ایک پرپیچ وخم اور خطرناک راستہ سے گزر کر یقینی حقوق پر پہنچ جائے جو بین الاقوامی حقوق اور اسلام کے نظام حقوق میں مشترک نقطہ ہے اور یہ ''انسانی عظمت کے دفاع سے'' عبارت ہے۔

اسلام میں عظمت انسانی ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان مخلوقات کے درمیان بہت سی جداگانہ خصوصیات کا حامل ہے اسی لیے اسے احسن التقویم کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ '' لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ۔'' (سورہ تین، ۴)

یقیناً ہم نے انسان کو احسن تقویم (یعنی وجود کی بہترین صورت) میں پیدا کیا ہے۔

قرآن خلقت انسانی کے آغاز اور اس کی فطری آفرینش کے سفر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان دنیا میں کس طرح آیا ہے اس کے بعد زمین وآسمان کی خلقت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور بیان فرماتا ہے: حقیقت یہ ہے کہ خدا کی گوناگوں مخلوقات کے درمیان یہ انسان ہے جو جداگانہ خصوصیات کا حامل ہے کہ جس نے تمام موجودات کے درمیان خلافت الٰہی کو حاصل کیا ہے۔ اگرچہ یہاں خلافت الٰہی پہلے انسان یعنی حضرت آدم کے لیے ثابت ہے، لیکن انہیں میں منحصر ومحدود نہیں ہے بلکہ ان کے بعد والے انسانوں کو بھی یہ خلافت ملی ہے۔ اس الٰہی منصب کی عمومیت کے لیے دوسری آیت کو پیش کیا جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے:

'' هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ ''

وہ وہی ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔
البتہ آدم کی اولاد میں سے اس منصب پر وہی لوگ فائز ہوئے ہیں جو علم وایمان کے حامل تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے جیسے خدا کے انبیا، ائمہ دین، اولیائے خدااور صالح بندے۔
خدا نے انسان کو خلافت الٰہی کے علاوہ دوسری عظمت وبزرگی اور شرافت بھی بخشی ہے اور اسے روئے زمین کی ساری مخلوقات پر تسلط دیا ہے۔
قرآن مجید کی نورانی آیتوں میں یہ معنیٰ بھی بالکل اسی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں، خداوند عالم کتاب آفرینش میں نسل انسانی کو بزرگی عطا کرنے کے بارے میں فرماتا ہے: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ" اور یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو عظمت وبزرگی دی ہے۔
اس مقدمہ سے ایک منطقی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ انسانی عظمت میں مشترک محتویٰ کا وجود انسان کی حمایت کے لیے مخصوص نتائج کا سبب ہو سکتا ہے یہی مسئلہ اسلام کے حقوقی اسناد کے تجزیہ میں حقوق بشر کی حمایت میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

دوسری بات: اسلام میں حقوق بشر اور بین الاقوامی حقوق کے مواد کا مطالعہ

اس بات کے ضمن میں بشر کے خاص اسلامی حقوق کے اسناد کے مواد کی چھان بین کی جائے خصوصاً اس اعتبار سے کہ کس علاقہ میں اور کس حد تک تدوین پائے ہیں۔ (الف) پھر ہم بشر کے اسلامی حقوق اور بین الاقوامی حقوق کی تنظیم میں احتمال ٹکراؤ کی تحقیق کریں گے۔ (ب)

الف: بشر کے خاص اسلامی حقوق کے اسناد کے مواد کی تحقیق

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خاص ثقافتی دلیل سے گذشتہ صدی کی ساتویں دہائی کے اواخر سے مسلمان معاشروں نے " اسلامی حقوق بشر " سے ارتباط رکھنے والے خاص اسناد کی تدوین شروع کی ان اسناد میں سے اہم ترین سند قاہرہ ہے یا اسلامی حقوق بشر کا اعلامیہ ہے جو کہ ۱۹۹۰ء میں تدوین ہوا ہے۔ اس اعلامیہ کے مقدمہ میں انسان کی عظمت وبزرگی کے لیے دینی اصولوں کو منظور کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اعلامیہ میں آیا ہے:
ایس، او، آئی کے رکن ممالک اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ جو جہانوں کا پالنے والا، کائنات کو پیدا کرنے والا اور نعمتیں عطا کرنے والا ہے جس خدا نے انسان کو بہترین طریقہ سے پیدا کیا ہے اور اسے عظمت عطا کی ہے اور

روئے زمین پر اسے اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اسی خدا نے زمین کی آبادی اور اصلاح کی ذمہ داری انسان کے دوش پر رکھی ہے اور خدائی ذمہ داری کی امانت کا بار اس کی گردن پر ڈالا ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اسے انسان کے اختیار میں دے دیا ہے اور محمد ﷺ کی رسالت کی تصدیق کے ساتھ کہ جن کو خدا نے ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا اور دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا، غلاموں کو آزاد کرانے والا اور طاغوتوں اور مستکبرین کو شکست دینے والا قرار دیا ہے، اس رسول کی رسالت کے اقرار ساتھ کہ جس نے تمام انسانوں کو برابر و مساوی قرار دیا ہے اور تقویٰ کے علاوہ کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی۔ لوگوں کے درمیان سے طبقہ بندی اور زور زبردستی کا خاتمہ کیا۔ ان لوگوں کے درمیان سے جن کو خدا نے ایک روح سے پیدا کیا ہے۔

توحید کے خاص عقیدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اسلام کی عمارت اسی کی بنیاد پر استوار ہے وہ عقیدہ جو انسان سے کہتا ہے کہ خدا کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت مت کرو، کسی کو اس کا شریک قرار نہ دو اور کسی کو اللہ کی جگہ خدا نہ بناؤ۔ وہ عقیدہ کہ جس نے بشر کی ذمہ دارانہ آزادی و حیثیت کی سیدھی سچی بنیاد قائم کی اور انسان کی آزادی کا اعلان کیا ہے۔

اسلام کی جاوداں شریعت میں آنے والے امور دین، جان، عقل، ناموس اور مال و نسل کی حفاظت اور دوسرے امتیازات جیسے تمام احکام و حالات کی جامعیت و میانہ روی کی تاکید کے ساتھ شریعت نے معنویات و مادیات کو باہم مخلوط کر دیا اور عقل و قلب کو ہم آہنگ بنا دیا اور حقوق و فرائض کے درمیان توازن قائم کر دیا ہے۔ فرد کے احترام اور عمومی مصلحت کے درمیان توافق اور طرفین کے درمیان عدل کے معیاروں کو برقرار کیا تاکہ نہ سرکشی رہے اور نہ کوئی نقصان ہو۔

امت اسلامیہ کے تمدنی اور تاریخی کردار کی تاکید کے ساتھ خدا نے اسے بہترین امت قرار دیا ہے تاکہ یہ امت بشریت کے سامنے ایک عالمی تمدن پیش کر سکے۔ ایسا تمدن جو دنیا کو آخرت سے جوڑ دے اور علم و ایمان کے درمیان ربط پیدا کر دے۔ لٰہذا آج ایسی امت سے توقع ہے کہ وہ متضاد رقابتوں میں مبتلا مسلکوں کے ماننے والوں کی ہدایت کرے گی اور مفلوج مادی تمدن کی مشکلوں کے لیے راہ حل پیش کرے گی۔

انسانی کوششوں میں جو کہ حقوق بشر سے مربوط ہیں اپنی ذمہ داری کو پورا کرے گی۔ ایسے حقوق کہ جن کی غرض ظلم و استحصال کے مقابلہ میں انسان کی مدد کرنا ہے اور شریفانہ زندگی میں آزادی اور اس کے حقوق پر زور دینا ہے جو شریعت اسلامی سے ہم آہنگ ہو۔

یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ جو بشریت مادی علم کی بلند ترین منازل طے کر چکی ہے وہ مستقل اور ہمیشہ اپنے تمدن کی حفاظت اور اپنے حقوق کی حمایت کے لیے ایک ایمانی مرکز کی محتاج رہی ہے۔

اس بات پر بھی ایمان ہے کہ اسلام میں بنیادی حقوق اور آزادیاں مسلمانوں کے دین کا ایک جزء ہے پس اصولی طور پر کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان خدائی احکام کو کلی یا جزئی طور پر موقوف کر دے یا انہیں ٹھکرا دے یا ان سے چشم پوشی کرے، جن کو خدا نے اپنی کتابوں کے ذریعہ نازل کیا ہے اور جن کے لیے خاتم الانبیاء کو بھیجا اور ان پر آسمانی رسالت کے سلسلہ کو ختم کیا ہے۔ اس بناء پر ان احکام پر عمل کرنا، عبادت ہے اور انھیں بجالانے میں کوتاہی کرنا یا ان سے آگے بڑھ جانا بری بات ہے۔ انفرادی طور پر ہر انسان ان کی حفاظت اور انہیں نافذ کرنے کا ضامن ہے اور ہم آہنگ توافقی طریقہ سے ساری امت کا یہی فریضہ ہے۔

اس مقدمہ کو مد نظر رکھتے ہوئے چند نکات پر غور فرمائیں:

۱۔ روایتی بین الاقوامی حقوق تاریخی لحاظ سے کلیسا کے مذہبی اشخاص کے مقابلہ میں بنائے گئے تھے اس کے برخلاف اسلامی مفکرین، صرف اسلامی تعلیمات کے اندر ہی حقوق بشر بناسکتے ہیں۔ قاہرہ اعلامیہ کا متن بھی اسلامی فقہ کے پہلے سر چشمہ قرآن مجید سے لیا گیا ہے اس میں فلسفی افکار نہیں ہیں، وہ اسلامی اقدار و عظمت کو قرآن کے تناظر میں دیکھتا ہے۔[۱]

۲۔ اسلام میں حقوق و تکالیف (ذمہ داریاں) ایک دوسرے کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اصول کی بنیاد پر حق مسئولیت و ذمہ داری سے جدا ہو کر خود کو پیش نہیں کر سکتا لہٰذا یہ حقیقت ایک کلیدی نکتہ کے عنوان سے قاہرہ اعلامیہ مرتب کرنے والوں کے پیش نظر تھی۔[۲]

۳۔ حقوق انسانی کی بنیادوں کا مسئلہ اجتماعی عدالت کے قالب میں بھی مد نظر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حقوق بشر مختلف نسلوں سے گزر کر آیا ہے اور آج تیسری نسل کا مسئلہ بلکہ بعد والی نسلیں بھی حقوق بشر میں شامل ہو گئی ہیں۔ قاہرہ اعلامیہ مرتب کرنے والے اس نکتہ کو بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اجتماعی عدالت کا

۱۔ محمد بن لطفی الصباغ، الانسان فی القرآن الکریم، المکتب الاسلامی، القاہرہ، ص ۱۴، ۱۹۹۲ء

۲۔ نصر فرید محمد واصل، آداب العلاقات الانسانیہ فی الاسلام: الحقوق والواجبات، المکتبہ التوفیقیہ للطبع والنشر، القاہرہ، ص ۳۴، ۱۹۹۹ء

مسئلہ انسانی حقوق کے مسائل میں ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے چشم پوشی نہیں کی جانی چاہئے۔اور اسلام میں یہی مسئلہ مد نظر تھااور آج بھی ہے۔[۱]

اس بناپر قاہرہ اعلامیہ کے متن کو تین حصوں میں تقسیم کیاجاسکتاہے۔پہلے حصہ میں انسان کے فردی حقوق پر توجہ دی گئی ہے ان حقوق کی تشریح ان کے حصہ میں ہونے کے اعتبار سے کی گئی ہے۔اور یہ حقوق بشر سے مشابہ اسناد میں کم نظر آتی ہے۔دوسرے حصہ میں انسان ومعاشرہ کارابطہ اور اس کے انسانی حقوق کے آثار کو بھی مد نظر رکھاگیاہے اور آخر میں اسلامی ومذہبی اقدار کو اقدار ہی کے عنوان سے پیش کیاگیاہے کہ جس پر کوئی خدشہ وارد نہیں ہوسکتا۔

ممکن ہے اس تیسرے حصہ کو مغربی حقوق بشر سے ایک قسم کا تقابل کہا جائے۔ مغربی حقوق بشر میں انسان بذات خود اقدار کا حامل ہے اور یہ چیز دینی اقدار پر سوال اٹھاسکتی ہے حالانکہ اسلام میں جس نے انسان کو عظمت وبزرگی دی ہے وہ خدا ہے اور یہ بات فطری ہے کہ مغربی حقوق بشر خالق کائنات اور اس کے دین کے اقدار پر سوال نہیں اٹھاسکتا۔[۲]

ا۔ قاہرہ کے اعلامیہ میں فردی حقوق اور عظمت انسانی

اس اعلامیہ کی پہلی دفعہ میں انسانی معاشرہ کے مضبوط واٹوٹ ارتباط کے مسئلہ پر توجہ دی گئی ہے۔اس دفعہ میں آیا ہے کہ کلی طور پر سارے انسان ایک خاندان کے افراد ہیں، جنہیں خدا کی عبادت اور آدم کی اولاد کے باہمی رشتہ نے ایک جگہ جمع کردیا ہے انسانی شرافت، ذمہ داری اور جواب دہی میں سارے انسان برابر ہیں۔ نژاد ونسل، رنگ وزبان یا جنسی یا دینی اعتقاد، یاسیاسی وابستگی یا اجتماعی حیثیت وغیرہ کے اعتبار سے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

ا۔برائے تبیین میانی عدالت اجتماعی در اسلام وارتباط آن باانسان بہ ویژہ بنگرید بہ:

Souad El Gazouani, Le concept de justice sociale dans l ' Islam, SN, 1985: Dina, Abdelkader, Social Justice in Islam, International Institute of Islamic Thought, 2000.

۲۔ المختار محمد التمسمانی، حد الردہ، من ثوابت الاحکام فی الاسلام، نقد مقال علمانی، الطبعہ الثانیہ، ناشرون، بیروت، لبنان، ص ۱۲۔ ۲۰۱۲ء

ضمنی طور پر صحیح عقیدہ انسان کے تکامل کی راہ سے اس کی شرافت میں اضافہ کی ضمانت لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری مخلوق خدا کی عیال کی مانند ہے اور ان میں سے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اپنی نوع کے لیے زیادہ فائدہ بخش ہے۔ اور کوئی کسی پر برتری نہیں رکھتا ہے۔ ہاں تقویٰ و نیک کام کے اعتبار سے برتری رکھتا ہے۔

اسی کے ساتھ اس کی دوسری دفعہ میں انسان کے سرچشمہ حیات کو بھی خدائی سرچشمہ کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ "زندگی خدائی عطیہ ہے اور ایک حق ہے جو ہر انسان کو دیا گیا ہے اور تمام افراد اور ہر معاشرہ وحکومت پر واجب ہے کہ اس حق کی حمایت کریں اور اس حق کو بچانے میں پوری طاقت استعمال کریں اور شرعی قانون کے بغیر کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔"

اس بنیاد پر اسلام میں پھانسی دینا اگرچہ جائز ہے لیکن اس کی بنیاد و قوانین کی مکمل طور پر تشریح کی گئی ہے اور وہ محدود ہے اس اعلامیہ کی دوسری دفعہ میں بیان ہوا ہے کہ:

"۔۔۔ب) ایسی چیز کا استعمال ممنوع ہے جس سے انسان کے سرچشمہ حیات کو کلی یا جزئی طور پر نقصان پہنچتا ہو۔

(ج) جہاں تک خدا کی مشیئت ہے وہاں تک انسانی زندگی کو باقی رکھنے کی حمایت کرنا شرعی فریضہ ہے۔

(د) انسان کے جنازہ کا احترام کیا جائے، اس کی بے حرمتی کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح شرعی جواز کے بغیر اسے چھونا بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس سلسلہ میں حکومت پر واجب ہے کہ وہ حمایت ومدد کرے۔

یہی نکتہ جنگ کے اصولوں میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس اعلامیہ کی تیسری دفعہ میں آیا ہے:

"(الف) جنگ کی صورت میں طاقت یا اسلحہ کا استعمال ان لوگوں کے خلاف نہیں ہونا چاہئے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے جیسے بوڑھے مرد وعورت اور بچوں کو نہیں قتل کرنا چاہئے۔ زخمی اور بیمار علاج کا حق رکھتا ہے اور قیدی روٹی، کپڑا اور مکان کا حق رکھتا ہے۔ مقتولین کو مثلہ کرنا منع ہے۔ قیدیوں کا تبادلہ ہونا چاہئے اور جنگ کی حالت میں جو خاندان ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہیں ان کی ملاقات کرائی جائے۔

"(ب) بمباری یا میزائیلوں کے ذریعہ دشمن ملک کی عمارتوں اور اداروں کو برباد کرنا، دشمن کے درختوں کو کاٹنا، کھیتوں اور ڈیریوں کو تباہ کرنا جائز نہیں ہے۔"

اسلامی نظریہ کی رو سے انسان کی عظمت مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

"چوتھی دفعہ" ہر انسان کی ایک حرمت ہے وہ اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد اپنی شہرت کی حفاظت کا حق رکھتا ہے اور حکومت و معاشرہ کا فریضہ ہے کہ اس کے پیکر اور قبر کی حفاظت کرے۔"

اس اعلامیہ میں فردی حقوق کے بارے میں شادی میں آزادی کی بحث پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

پانچویں دفعہ۔" (الف) خاندان کو معاشرہ کی عمارت کا ستون قرار دیا گیا ہے اور شادی خاندان سازی کی بنیاد ہے لہٰذا مرد و عورت کو شادی کرنے کا حق حاصل ہے اور نسل یا رنگ یا قومیت و شہریت کو بہانہ بنا کر ان سے یہ حق نہیں چھینا جاسکتا۔

(ب) معاشرے اور حکومت کا فرض ہے کہ شادی کی رکاوٹوں کو ہٹائیں اور مرد و عورت کی مشکلوں کو حل کریں اور خاندان کی مدد کریں۔

چھٹی دفعہ میں اہم مسئلہ مرد و عورت کے برابر ہونے پر بھی توجہ دی گئی ہے اور ساتویں دفعہ میں بچوں کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے۔

چھٹی دفعہ: (الف) انسانی حیثیت میں، عورت مرد کے برابر ہے۔ عورت کے اتنے ہی حقوق ہیں جتنی اس کی ذمہ داری ہے وہ شہری شخصیت کی مالک ہے اور مالی امور میں خود مختار ہے وہ اپنے نام و نسبت کا تحفظ کر سکتی ہے۔

(ب) خاندان کے اخراجات اور اس کی دیکھ بھال کا ذمہ دار مرد ہے۔

ساتویں دفعہ: (الف) پیدائش کے وقت سے ہی ہر بچہ کا اپنے والدین، معاشرہ اور حکومت پر ایک حق ہوتا ہے کہ وہ بچپن میں اس کی حفاظت و تربیت کریں اور اس کی مادی و تندرستی اور ادبی ضرورتوں کو پورا کریں۔ اس ضمن میں حمل اور ماں کی حفاظت کی جائے اور ان کا خاص خیال رکھا جائے۔

(ب) باپ اور وہ لوگ جو شرع کے قانون کے لحاظ سے باپ کی مانند ہیں اپنی اولاد کے لیے کسی خاص قسم کی تربیت کے انتخاب کا حق چاہتے ہیں تو انہیں اخلاقی اقدار اور اسلامی احکام کے پر تو میں بچوں کے فائدے اور ان کے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے یہ حق دیا جائے۔

(ج) احکام شرع کے مطابق بچوں پر والدین اور اقوام پر اپنی قوموں کا حق ہے۔

اسلامی حقوق بشر کے اس دائرہ میں تعلیم وتربیت کے ذریعہ افراد کی شخصیت کی بالیدگی پر بھی توجہ دی گئی ہے اور ان کے لیے ایک خاص مواد مخصوص کیا گیا ہے۔

آٹھویں دفعہ، ہر انسان پابند ہونے اور پابند کرنے کے اعتبار سے ایک شرعی شخصیت کا حامل ہے اگر یہ شخصیت ختم ہو جائے یا مجروح ہو جائے تو اس کی جگہ اقدار آجائیں گے۔

نویں دفعہ: (الف) علم حاصل کرنا ایک فریضہ ہے اور تعلیم دینا معاشرہ اور حکومت پر واجب ہے۔ اور حکومت پر لازم ہے کہ تعلیم کے راستے اور اس کے اسباب فراہم کرے اور تعلیم میں اس طرح تنوع پیدا کرے کہ جس سے معاشرہ کو فائدہ پہنچے اور حکومت انسان کو اتنا موقع دے کہ جس میں وہ دین اسلام اور ہستی کے حقائق کی معرفت حاصل کر سکے اور اسے بشریت کی فلاح و بہبود میں استعمال کرے۔

(ب) ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ خاندان و مدرسے اور یونیورسٹی سے لے کر تبلیغاتی اور دوسرے ایسے ادارے کھولے کہ جو انسان کی دینی اور دنیوی تربیت کے میدان میں کام و کوشش کریں اور اس کی کامل و متوازن تربیت کے لیے سعی کریں اور اس کی شخصیت کی اس طرح پرورش وتربیت کریں کہ جس سے خدا پر اس کا ایمان استوار اور حقوق و فرائض کے لیے احترام کی حمایت ہو سکے۔

دسویں دفعہ: اسلام دین فطرت ہے، انسان پر کسی بھی قسم کی زبردستی کرنا یا اس کے دین کے بدلنے کے لیے اس کی مفلسی یا جہالت سے فائدہ اٹھانا یا اسے بے دین بنانا جائز نہیں ہے۔

گیارہویں دفعہ۔ (الف) ہر انسان آزاد پیدا ہوتا ہے اور خدا کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اسے غلام بنائے یا ذلیل کرے۔ یا مجبور و مغلوب کرے یا اس سے غلط فائدہ اٹھائے یا اسے بندہ بنائے۔

(ب) استعمار کی ساری قسمیں حرام ہیں کیونکہ یہ غلامی کی بدترین قسم ہے۔ جو قومیں استعمار کے شکنجے میں ہیں انہیں اس سے آزاد ہونے اور اپنی قسمت بنانے کا حق حاصل ہے۔ تمام ممالک ومذاہب کا فریضہ ہے کہ وہ ہر استعمار کی نابودی کے لیے کی جانے والی جنگ میں ان کی مدد کریں۔ تمام قوموں کو اپنی شخصیت کی حفاظت کرنے اور اپنے قدرتی ذخائر پر قابض رہنے کا حق ہے۔

بارہویں دفعہ: شریعت کے مطابق ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے رہنے کے لیے اندرون ملک یا بیرون ملک جس جگہ کا چاہے انتخاب کرے اور جہاں چاہے منتقل ہو جائے اور اگر کسی جگہ اس پر ظلم ہو رہا ہے تو کسی دوسرے ملک میں پناہ لے لے۔ اور پناہ دینے والے ملک پر واجب ہے کہ وہ اس وقت تک اس کی دیکھ ریکھ اور سرپرستی کرے جب تک اسے دوسری پناہ گاہ نہیں مل جاتی ہاں اس نے کسی ایسے کام کی وجہ سے پناہ نہ لی ہو جو شریعت کی نظر میں حرام ہو۔

۲۔ قاہرہ کے اعلامیہ میں اجتماعی حقوق

قاہرہ کے اعلامیہ کی تیرہویں دفعہ، افراد کے اجتماعی حقوق کے ایک پہلو کو واضح طور پر بیان کرتی ہے اور وہ ہے کام۔

کام ایک حق ہے حکومت اور معاشرہ کو چاہئے کہ وہ اس شخص کو کام دے جو کام کرنے پر قادر ہے۔ ہر انسان اپنے شایان شان ایسے کام کے انتخاب کا حق رکھتا ہے کہ جس سے اسے اور سماج کو فائدہ پہنچے۔ ہر کام کرنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امن وسکون اور دیگر اجتماعی ضروریات سے مالا مال ہو۔ ہاں اسے اپنے ذمہ ایسا کام نہیں لینا چاہئے جس کی اس کے اندر طاقت وصلاحیت نہیں ہے۔ یا اسے کسی کام پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہئے مرد وعورت میں سے ہر کام کرنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کام کے عوض جو عادلانہ اجرت معین ہوئی ہے کام کے بعد جلد وصول کرے اور اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ چھٹیوں اور انعامات سے استفادہ کرے۔ اسی کے ساتھ اس کا فریضہ یہ بھی ہے کہ اپنے کام کو خلوص کے ساتھ صحیح طریقہ سے انجام دے اور اگر کام کرنے والوں کا ٹھیکیدار سے اختلاف ہو جائے تو حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ اس اختلاف کے حل کرنے اور ظلم کو ختم کرنے اور کسی کے بھی حق سے چشم پوشی کئے بغیر اس معاملہ میں مداخلت کرے۔

چودہویں دفعہ: (الف) انسان جائز طریقہ سے تجارت کرنے کا حق رکھتا ہے، ذخیرہ اندوزی کا حق نہیں رکھتا، نہ نقصان اٹھائے نہ کسی کو ضرر پہنچائے کسی کو فریب دینا اور سود لینا سخت منع ہے۔

پندرہویں دفعہ: (الف) ہر انسان شرعی طریقوں سے کسی چیز کے مالک بننے کا حق رکھتا ہے اور وہ مالک ہونے کے حقوق سے اس طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ نہ خود نقصان اٹھائے نہ دوسروں کو ضرر پہنچائے اور نہ ہی اس میں معاشرہ کا خسارہ ہو۔ وہ دوسرے سے مالکیت کا حق نہیں چھین سکتا۔ ہاں عمومی منافع کے پیش نظر نقد و عادلانہ جرمانہ ادا کرنے کی صورت میں ایسا کر سکتا ہے۔

غیر اموال کا مصادرہ کرنا اور انہیں ضبط کرنا منع ہے مگر یہ کہ شریعت کے مطابق ضبط کرے۔

سولہویں دفعہ: ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے علمی یا ادبی یا ہنری شاہکار و تخلیق سے فائدہ اٹھائے اور اس کے ذریعہ سے حاصل ہونے والے ادبی و مالی منافع و انعام کی حفاظت کرے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ تخلیقی اثر احکام شریعت کے خلاف نہ ہو۔

سترہویں دفعہ: (الف) انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مفاسد اور اخلاقی بیماریوں سے پاک ایسے ماحول میں زندگی بسر کرے کہ جہاں وہ معنوی لحاظ سے اپنی تعمیر کر سکے۔ حکومت و معاشرہ کا فرض ہے کہ وہ اسے اس حق سے محروم نہ رکھے۔

(ب) معاشرہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق عمومی ادارے بنا کر ہر انسان کے لیے طبّی واجتماعی سہولتیں فراہم کرے۔

(ج) حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر انسان کو یہ حق دے کہ وہ شریفانہ زندگی میں اپنی اور اپنے خاندان کی ضروریات یعنی روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج جیسے بنیادی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

اٹھارہویں دفعہ: (الف) ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جان، دین، خاندان، ناموس اور مال کی طرف سے بے خوف زندگی گزارے۔

(ب) ہر انسان کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی کے امور میں مکان، خاندان، مال اور باہمی ارتباط میں خود مختار ہو۔ اس کی جاسوسی اور نگرانی کر کے اس کی شخصیت کو مجروح کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر اس کے ان امور میں کوئی مداخلت کرتا ہے تو اس کی حمایت کی جائے۔

(ج) ہر انسان کی جائے سکونت کا بہر حال احترام ضروری ہے اہل خانہ کی اجازت کے بغیر یا ناجائز طریقہ سے کسی کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔اسے منہدم یا ضبط کرنا یا اس کے رہنے والوں کو باہر نکالنا صحیح نہیں ہے۔

انیسویں دفعہ: (الف) شرعی امور کے تناظر میں سارے انسان برابر ہیں۔حاکم و محکوم بھی مساوی ہیں۔

(ب) عدالت سے مدد و پناہ لینا ایسا حق ہے جو سب کو دیا گیا ہے۔

(ج) ہر شخص ذمہ دار اور ہر شخص جوابدہ ہے۔

(د) جرم کی سزا حکم شریعت کے مطابق ہی ہو گی۔

(ہ) متہم (تہمت زدہ) بے گناہ ہے مگر دفاع کے سارے اسباب کے باوجود عادلانہ مقدمہ میں اس کا جرم ثابت ہو جائے۔

بیسویں دفعہ: کسی کو گرفتار کرنا، یا آزادی کو محدود کرنا یا جلاوطن کرنا یا سزا دینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ شریعت کی رو سے وہ ان میں سے کسی سزا کا مستحق ہو۔اس صورت میں بھی اسے بدنی وروحی شکنجہ نہیں دیا جاسکتا۔یا اس کے ساتھ تحقیر آمیز یا انسانی اقدار کے منافی سخت سلوک نہیں کیا جاسکتا۔اسی طرح کسی بھی شخص کا طبّی یا علمی امتحان لینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ خود چاہے۔نیز اس امتحان سے اس کی زندگی اور صحت کو خطرہ لاحق نہ ہو۔ایسے استثنائی قوانین بنانا بھی جائز نہیں ہے جو مجریہ (یعنی حکومت) کو ایسا کام کرنے کی اجازت دیتے ہوں۔

اکیسویں دفعہ: اغوا کی ہر صورت ممنوع ہے چاہے کسی بھی مقصد کے لیے ہو۔

بائیسویں دفعہ: (الف) ہر انسان اپنا نظریہ بیان کرنے کا حق رکھتا ہے بشر طیکہ وہ شرعی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔

(ب) ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شریعت اسلامی کے ضابطوں کے مطابق بری باتوں سے روکے اور نیک کاموں کی طرف دعوت دے۔

(ج) تبلیغات، معاشرہ کی زندگی کی ایک ضرورت ہے لیکن اس سے غلط فائدہ اٹھانا اس کا بے جا استعمال کرنا مقدسات اور انبیاء کی عظمت پر حملہ کرنا یا ایسا کام کرنا جس سے معاشرہ کے اقدار واتحاد کو ٹھیس پہنچے یا اعتقاد پر ضرب لگے، منع ہے۔

(د) قومی یا مذہبی جذبات کو بھڑکانا یا ایسا کام کرنا جائز نہیں ہے کہ جس سے نسل پرستی اور نژادی فکر برانگیختہ ہو۔

۳۔ قاہرہ کے اعلامیہ میں عمومی حقوق

قاہرہ کے اعلامیہ میں ۲۳ویں دفعہ اور اس کے بعد والی دفعات میں عمومی حقوق کے مسائل پر توجہ دی گئی ہے۔ اس دائرہ میں حیثیتی عنوان کے تحت ولایت کو بھی رکھا گیا ہے کہ ولایت ایک امانت ہے جس سے غلط فائدہ اٹھانا سخت منع ہے اور اس میں استبداد و من مانی سے کام لینا جائز نہیں ہے کیونکہ بنیادی حقوق کی تکمیل اسی راہ سے ہوتی ہے۔

(ب) ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ملک کے عمومی امور کے ادارے میں براہ راست یا بالواسطہ شریک ہو۔ نیز وہ احکام شریعت کے مطابق عمومی عہدوں کی ذمہ داری قبول کرسکتا ہے۔

اس ارتباط کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سند میں مذکور سارے حقوق اور آزادیوں کا شریعت اسلامی کے احکام کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا اس اعلامیہ کی ہر دفعہ کی تفسیر وو ضاحت کے لیے فقط شریعت اسلامی سے رجوع کیا جائے گا۔

جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے کہ اس اعلامیہ کے بہت سے نکات، عالمی حقوق بشر کی دفعات کے مطابق ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود سوال یہ ہے کہ ان دونوں، اسلام کے حقوق بشر اور بین الاقوامی حقوق، کے درمیان کن موقعوں پر لاینحل تعارض ظاہر ہوتا ہے؟

(ب) اسلامی حقوق بشر اور بین الاقوامی حقوق کے محتویٰ میں تعارض کے مقامات

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عظمت انسانی کی مشترک بنیادیں موجود ہیں جن میں تاریخی اعتبار سے اسلام اور یورپی (Humanism) میں انسان دوستی کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ان دونوں نظاموں میں بہت سے مشترک

نقاط موجود ہیں کیونکہ اس کا اکثر حصہ قاہرہ کے ۱۹۹۰ء کے اعلامیہ میں موجود ہے۔ بین الاقوامی حقوق بشر کی ترتیب اور اسلام کے حقوق بشر میں اس تعارض کو تین اعتبار سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ افراد کے خصوصی حقوق کے متعلق خاص ترتیب کے اعتبار سے جو خاص طور سے عورتوں اور بچوں کے بیرونی مظاہر کو شامل ہے۔

۲۔ خصوصی زندگی کے متعلق حقوق (Private Life/ vie Privee) کہ جس نے نظریہ کے اس بنیادی اختلاف کو ختم کر دیا جو اسلام کے دستورات وعادات اور یورپی نظریات کے درمیان تھا اور آج بھی (کسی حد تک) ہے۔

۳۔ اسلامی فقہ میں سزا کی ترتیب کا نظام جو علاقائی اور عالمی حقوق بشر اور فقہی دستورات کے نقطہ نگاہ کے قواعد کے درمیان تعارض کا سبب بنتا ہے یہ تعارض زنا، لواط، اور زمین پر فساد پھیلانے کی بعض سزاؤں کی نوعیت وکیفیت کے محدود و معین دائرہ میں ظاہر ہوا ہے۔

ان تینوں کے بارے میں اسلامی حکومتوں کی توجہ اور سرگرمی مختلف رہی ہے۔ خصوصی حقوق کے دائرہ میں اکثر اسلامی عربی ممالک نے اس دائرہ میں تعارض کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۵۶ء میں تیونس، فرانس کے تسلط سے آزاد ہوا اور اسی سال طلاق کے (یک طرفہ) نظریہ اور چند ہمسری قانون کو خاندان کے قوانین سے حذف کر دیا اور ۱۹۹۳ء میں عورت کا مرد کے تابع ہونے والا قانون، خاندانی حقوق سے ہٹادیا گیا۔ اس کے بعد والے برسوں میں الجزائر اور مراقش میں تیونس سے زیادہ تبدیلی ہوئی۔ ۲۰۰۴ء میں مراقش کے خاندان کے حقوق میں اور ۲۰۰۵ء میں الجزائر کے خاندان کے قانون میں خاندان کی آرائش میں بڑی تبدیلی کا آغاز ہوا۔ اس قانون میں عورت کا مرد کے تابع ہونے اور اس کی فرمانبرداری کو ختم کر دیا گیا اور مساوی شہریت اور ماں کی شہریت کا بچوں کو ملنا نازک وبحث انگیز موضوع بن گیا۔ تیونس میں ۲۰۰۱ء سے، مصر میں ۲۰۰۴ء سے اور مراقش میں ۲۰۰۷ء سے عورتیں اپنی شہریت اپنے ان بچوں کو دے سکتی ہیں جن کے باپ ان ممالک کی شہریت نہیں رکھتے۔[1]

۱۔ خواتین کے حقوق کے حوالے سے گزشتہ دہائی میں اسلامی ممالک کے ذاتی قانون میں تبدیلیوں کے لیے ملاحظہ کریں:

ان تمام دشواریوں کے ساتھ تعارض کا حل دو دستوں (دوسرے اور تیسرے) دستہ سے مربوط ہے۔ دوسرے دستہ میں ثقافتی رکاوٹیں ہیں اور تیسرے دستہ میں حاکمیت کا وجود ایک ہم آہنگی تک پہنچنے میں مانع ہے۔ کلی طور پر جیساکہ اسلامی حقوق بشر کے اعلامیہ میں مد نظر تھا، اور یہ کوشش کی گئی تھی کہ حقوق بشر سے مربوط ہر قاعدہ کی دلیل اور اس کی بنیاد بیان کر دی جائے اور خاص طور سے یہ چیز عمومی حقوق اور افراد کی سیاسی مشارکت کی بحث میں مرکز توجہ تھی اگرچہ اسلام میں ڈیموکریسی بذات خود ایک قدر کے اعتبار سے دستور کے عنوان سے نہیں تھی۔ لیکن اس اعلامیہ میں طریقہ استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں (ڈیموکریسی اور اسلام) میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ ہاں جو چیز اسلام کے خلاف ہے وہ حکومت میں سرکشی اور انسانوں کے حقوق سے چشم پوشی کرنا ہے یعنی وہ فردی واجتماعی حقوق جن کو تسلیم کرنا ہر انسان کے لیے حقوق کی بحث میں ثابت ہو چکا ہے۔

نتیجہ

آخر میں نتیجہ گیری کے عنوان سے یہ کہا جاسکتا ہے:

❖ اسلام میں دستورات کی ترتیب اور بین الاقوامی حقوق کے ایک دوسرے کے مشابہ ہونے میں تاریخی لحاظ سے نمایاں فرق ہے۔ کیونکہ اسلامی دستورات الٰہی اصولوں کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ آج کے بین الاقوامی قوانین دینی بنیاد کو نظر انداز کرتے ہوئے انسان کے مادی حقائق کے پایوں (ستون) پر استوار ہیں اور انہیں پایوں کو اصل کے عنوان سے تسلیم کر لیا ہے۔

❖ بنیادوں میں فرق کے باوجود، تجزیہ و تحلیل میں بعض مشترک عناصر کا وجود ان دو حقوق کی تنظیم کی تقریب کا سبب ہوا ہے۔

❖ حقوق انسانی کے خاص اسناد کے متن کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور بین الاقوامی حقوق بشر کے نظریات ملتے جلتے ہیں۔

Ruiz Almodovar, El Derecho privado en los paises arabes. Codigos de Estatuto personal, Granada, EUG/Fundacion Euroarabe. 2005.

❖ان تمام باتوں کے باوجود ان دو تنظیموں کے بعض اداروں میں اس اضافی و نسبی اور کبھی مطلق تعارض وٹکراؤ ناقابل انکار ہے یہ تین نقاط خصوصی حقوق میں تین جگھوں پر خصوصی و عمومی زندگی کی سرحدوں کی ترتیب اور اپنے کیفری سزاؤوں کے نظام کی نشاندہی کرتے ہیں۔

❖ گذشتہ دو دہائیوں میں اسلامی حکومتوں کی توجہ حقوق کے دائرہ میں ایک قسم کی نسبی واضافی مصلحت کی حکایت کرتی ہے۔اس کے باوجود سیاسی بحران اور مد مقابل کی ثقافتی دشواریوں کو سمجھنے خصوصاً آخری دہائی میں حقوق بشر کے بارے میں قواعد کی تنظیم کے درمیان تقابل میں اضافہ ہوا ہے۔

منابع وماخذ

الف۔فارسی وعربی منابع

پرویز ذوالعین، مبانی حقوق بین الملل عمومی، دفتر مطالعات سیاسی و بین المللی، تہران، ۱۳۸۳۔

محمد عمارہ، معرکہ المصطحات بین الغرب والاسلام، نہضۃ مصر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۹۸۸ء۔

محمد بن لطفی الصباغ، الإنسان فی القرآن الکریم، المکتب الاسلامی، القاہرہ، ۱۹۹۲.

نصر فرید محمد واصل، آداب العلاقات الانسانیہ فی الاسلام، الحقوق والواجبات، المکتبہ التوفیقیۃ للطبع والنشر، القاہرہ، ۱۹۹۹ء

۔الختار محمد التمسمانی، حد الردہ، من ثوابت الأحکام فی الاسلام، نقد مقال علمانی، الطبعہ الثانیہ، ناشرون، بیروت، لبنان، ۲۰۱۲

طرح اعلامیہ حقوق بشر و تعہدات بنیادین انسان در اسلام، تہیہ شدہ از سوی اتحادیہ جہان اسلام در سال ۱۹۷۹ء

طرح اعلامیہ جہانی اسلام، تہیہ شدہ از سوی شورای اسلامی لندن مورخ ۱۲آوریل ۱۹۸۰۔

اعلامیہ جہانی اسلامی حقوق بشر کہ توسط شورای اسلامی لندن تہیہ گردید و در ۱۹سپتامبر ۱۹۸۱ بہ یونسکو ارائہ گردید.

پس نویس سند راجع بہ حقوق بشر در اسلام کہ در جریان اجلاس سران سازمان کنفرانس اسلامی در ۱۹۸۱ در طائف ارائہ گردید.

پیش نویس سند راجع بہ حقوق بشر کہ در پنجمین نشست حقوق بشر در دسمبر ۱۹۸۹ء در تہران، بہ تصویب رسید۔

پیش نویس اعلامیه حقوق بشر در اسلام که توسط وزرای خارجه اعضای سازمان کنفرانس اسلامی در اوت ۱۹۹۰در قاهره تهیه گردید.

پیش نویس منشور عربی حقوق بشر که توسط کشورهای عضو اتحادیه عرب در سال ۱۹۸۲، تهیه شد.

طرح منشور حقوق بشر و مردم در جهان عرب که در دسامبر ۱۹۸۶به تصویب رسید.

کتاب سبز حقوق بشر در عهد جماهیری که در ۱۲ژوئن ۱۹۸۸توسط لیبی به تصویب رسید.

ب- انگریزی منابع

- MOTILLA, A (ed.), Islam y Derechos Humanos, Madrid, Trotta, pp. 27-52.

Diego Panizza, Politica e Religione nell'opera di Alberico Gentili. in: Alberico Gentili nel quatro centenario della morte, Giuffre, 2008,

Giovanni Minnucci, Silete Theologi in munere alieno. Alberto Gentili tra diritto, teologia e religione, Monduzzi, 2016.

in; - Mireille Delmas-Marty, L'humanisme- juridique entre Mythe et Utopie, available http://www.tout-monde.com/sites/mireille-delmas-marty---127

Souad El Gazouani, Le concept de justice sociale dans l'Islam. SN, 1985; Dina, Abdelkader, Social Justice in Islam, International Institute of Islamic Thought, 2000.

Ruiz Almodovar, El Derecho privado en los países árabes. Códigos de Estatuto personal, Granada, EUG/Fundación Euroárabe. 2005.